مزارعت کی شرعی حیثیت

(۳)

محمد طاسین

یہ ہیں مزارعت، مخابرت اور محاقلت سے متعلق وہ مرفوع احادیث جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روائیت کی ہیں اور محدثین کرام نے ان کو صحیح تسلیم کیا ہے، ان احادیث سے چند باتیں واضح ہوتی ہیں: اول یہ کہ مدینہ منورہ میں اسلام سے پہلے بھی مزارعت، مخابرت اور کراءالارض کا عام رواج تھا اور اسلام کے بعد بھی کافی عرصہ تک یہ رواج قائم رہا، دوم یہ کہ اس معاملہ کی عملی طور پر متعدد شکلیں تھیں: ایک یہ کہ اس میں پیداوار کا نصف حصہ مالک زمین اور نصف حصہ کاشتکار کے لئے ہوتا تھا، دوسری یہ کہ ایک فریق کے لئے پیداوار کا ایک تہائی اور دوسرے کے لئے دوتہائی ہوتا تھا، تیسری یہ کہ ایک فریق کے لئے ایک چوتھائی اور دوسرے کے لئے تین چوتھائی ہوتا تھا، چوتھی یہ کہ مالک زمین کے لئے مقررہ حصہ کے ساتھ ساتھ کچھ اور چیزیں بھی مقرر ہوتی تھیں مثلاً گھنڈیاں یا بھوسے کا کچھ حصہ، پانچویں یہ کہ اس میں یہ طے ہوتا تھا کہ زمین کے ایک خاص حصے کی پیداوار مالک زمین کے لئے ہوگی جیسے نالیوں کے کنارے یا کنویں کے آس پاس کا حصہ جس میں عموماً پیداوار اچھی اور زیادہ ہوا کرتی ہے مالک اپنے لئے مخصوص کرلیتا تھا اور باقی حصہ کی پیداوار مزارع کے لئے، اسی طرح ایک چھٹی شکل یہ بھی تھی کہ مالک زمین، پیداوار کے نسبتی حصہ کے بجائے متعین مقدار میں غلہ یا نقد مقرر کرلیتا تھا جس کو وہ ہر حال میں وصول کرتا تھا خواہ زمین میں کچھ پیدا ہو یا نہ ہو، غرضیکہ مدینہ میں اس معاملہ کی متعدد اور مختلف

شکلیں تھیں جو مالک زمین اور کاشتکار کے مابین طے پاتا تھا ٹھیک اس طرح سے جس طرح کہ قرضوں کی مختلف نوعیت اور شرح سود کی کمی و بیشی کے لحاظ سے ربوا کی متعدد اور مختلف شکلیں تھیں، سوم یہ کہ مزارعت اور کراءالارض کی جو شکلیں کاشتکار کے حق میں نسبتہ زیادہ مضر اور باھمی نزاع کا موجب تھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پہلے روکا بوجہ محل نزاع اور موجب اختلاف ھونے کے، اور باقی تمام شکلوں سے اس وقت منع فرمایا جب قرآن مجید میں تحریم ربوا کا حکم نازل ھوا اور یہ مدنی دور کے آخر میں ھوا، اس وقت تحریم ربوا کے اس قانونی حکم سے وہ تمام معاشی معاملات متاثر ھوئے جو ربا سے ملتے جلتے تھے اور ایسا ھونا ایک بالکل قدرتی امر تھا، چہارم یہ کہ آپس میں مسلمانوں کی حد تک مزارعت کی تمام شکلیں ممنوع قرار دے دی گئیں البتہ غیر مسلم ذمیوں کے ساتھ حکومت کی سطح پر یہ معاملہ بعض خاص وجوہ کی بنا پر جائز رکھا گیا، اس کی مثال وہ معاملہ ھے جو فتح خیبر کے بعد معاھدہ صلح کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود خیبر کے ساتھ کیا جس کی رو سے کاشتکاری اور باغبانی کے تمام کام اور جملہ اخراجات یہود خیبر کے ذمہ تھے اور پیداوار نصف یہود کے اور نصف مسلمانوں کے مابین تقسیم ھوتی تھی، اور اس کے سوا یہود سے بطور جزیہ و خراج اور کچھ وصول نہیں کیا جاتا تھا، پنجم یہ کہ اکثر صحابہ کرام کے نزدیک مسلمانوں کے درمیان مزارعت کی یہ جو ممانعت تھی قانونی نوعیت کی تھی یعنی اس کی پابندی لازم اور ضروری تھی لیکن ایک صحابی کے نزدیک یہ ممانعت اخلاقی نوعیت کی تھی یعنی مزارعت کو ترک کرنا بمقابلہ اختیار کرنے کے بہتر تھا گویا یہ معاملہ حرام نہیں بلکہ مکروہ تھا، اسی طرح ان بیشتر احادیث سے ایک بات یہ بھی کھل کر نمایاں ھوتی ھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاھتے تھے کہ مالک زمین اپنی زمین کو خود کاشت کرے اور اگر خود کسی وجہ سے کاشت نہیں

کرسکتا تو اپنے کسی مسلمان بھائی کو مفت بلامعاوضہ کاشت کے لئے دےدے جو کاشت کرسکتا ہو، تیسری کوئی صورت آپ کے نزدیک پسندیدہ اور مستحسن نہ تھی،

بہرحال غور سے دیکھا جائے تو ان مرفوع احادیث میں کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس میں یہ تصریح ہو کہ مزارعت کا معاملہ مسلمانوں کے درمیان بلا کسی کراہیت کے جائز ہے، حدیث خیبر میں جس معاملے کا ذکر ہے پہلے تو اس میں ایسی کوئی صراحت نہیں کہ یہ معاملہ، مزارعت کا معاملہ تھا اور اگر بالفرض تسلیم کرلیا جائے کہ یہ معاملہ مزارعت کا معاملہ تھا تو ظاہر ہے کہ یہ آپس میں مسلمانوں کے درمیان نہ تھا بلکہ حکومت کے توسط سے مسلمانوں اور غیر مسلم یہودیوں کے درمیان تھا جو مسلم حکومت کے ذمی رعایا تھے، اسی عبداللہ بن عباس کی حدیث سے جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ کہ مزارعت کا معاملہ اگرچہ حرام نہیں لیکن مکروہ ضرور ہے اور اس کا نہ کرنا، کرنے کے مقابلے میں بہرحال خیر اور بہتر ہے، بنابریں یہ کہنا بالکل درست ہے کہ مذکورہ بالا مرفوع احادیث میں کچھ اختلاف تو ضرور ہے لیکن حقیقی تعارض ہرگز نہیں، اور اگر کسی کا یہ خیال ہو اور وہ یہ سمجھتا ہو کہ ان احادیث کے مابین تعارض پایا جاتا ہے تو پھر آئیے یہ دیکھیں کہ متعارض حدیث سے رفع تعارض کے لئے محدثین و فقہاء نے جو اصولی ضابطہ مقرر کیا ہے اس کے مطابق کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے، آپ کو یاد ہوگا کہ اس اصولی ضابطے کی پہلی شق نسخ سے متعلق ہے یعنی یہ دیکھا جائے کہ ان متعارض احادیث میں سے کونسی بلحاظ زمانہ پہلے کی ہیں اور کونسی بعد کی ہیں جو پہلے کی ہوں ان کو منسوخ اور جو بعد کی ہوں ان کو ناسخ قرار دے کر عمل کے لئے اختیار کرلیا جائے، چنانچہ اس کے مطابق جب ہم احادیث مزارعت پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ مزارعت کے جواز والی

احادیث بلحاظ زمانہ متقدم اور عدم جواز والی احادیث متأخر ہیں اور اس کی شہادت وہ قرائن و شواہد دیتے ہیں جو خود ان احادیث کے اندر بھی موجود ہیں اور باہر بھی، اندرونی اور داخلی قرائن و شواہد کی مثال وہ الفاظ ہیں جو ان احادیث کے اندر ان کے راوی صحابہ کرام نے بیان کئے ہیں، ذیل میں کچھ وہ الفاظ ملاحظہ فرمائیے :

حضرت جابر کی ایک روائیت میں ہے : کانوا یزرعون بالثلث والربع والنصف فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کانت لہ ارض فلیزرعھا او لیمنحھا،(ترجمہ) وہ کاشت کرتے چلے آرہے تھے تہائی، چوتھائی اور نصف پر پس نبی صلعم نے فرمایا جس کی زمین ہو وہ خود اس کو کاشت کرے یا اپنے بھائی کو بلا معاوضہ برتنے کے لئے دے دے، دوسری روائیت کے الفاظ ہیں : کنا نخابر قبل ان ینہانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الخبر، (ترجمہ) ہم مخابرت کیا کرتے تھے قبل اس کے کہ رسول اللہ صلعم نے مخابرت سے منع فرمایا، تیسری روائیت کے الفاظ ہیں : کنا فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناخذالارض بالثلث او الربع بالماذیانات فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذالک فقال من کانت لہ ارض فلیزرعھا، فان لم یزرعھا فلیمنحھا اخاہ، ترجمہ، ہم رسول اللہ کے زمانہ میں زمین لیا کرتے تھے تہائی یا چوتھائی پر نالیوں کے کناروں کی پیداوار کے ساتھ، پس رسول اللہ صلعم نے کھڑے ہوکر اس کے متعلق فرمایا، جس کے پاس زمین ہے وہ خود اسے کاشت کرے اور اگر خود نہیں کرتا تو اپنے بھائی کو مفت کاشت کے لئے دے دے،

حضرت رافع بن خدیج کی حدیث میں ہے : کنا نحا قل الارض علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنکریھا بالثلث والربع والطعام المسمی فنھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نحاقل بالارض فنکریھا علی الثلث والربع والطعام المسمی وامر رب‌الارض ان یزرعھا ، اویزرعھا و کرہ کراءھا وما سوی ذالک،

(ترجمه) هم محاقله پر دیا کرتے تھے زمین رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں یعنی زمین کاشت کے لئے دیتے تھے تہائی اور چوتھائی پیداوار پر اور متعین مقدار میں غلہ پر، پس رسول اللہ صلعم نے ہمیں اس سے روک دیا اور زمین والے کو حکم دیا کہ وہ خود اس کو کاشت کرے یا دوسرے کو کاشت کے لئے دے دے اور اس پر ہر قسم کے معاوضے کو ناجائز ٹھیرایا ،

حضرت سعد بن ابی وقاص کی روائیت کے الفاظ ہیں: کان الناس یکرون المزارع بما یکون علی الساقی و بما یسقی بالماء مماحول البئر، فنهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن ذالك و قال اکروها بالذهب و الفضة، حضرت سعد بن ابی وقاص کی اس حدیث سے بظاہر مزارعت کی ایک خاص شکل کا ممنوع ہونا واضح ہوتا ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو اس کے آخری الفاظ مزارعت کی ہر شکل کے ممنوع ہونے پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ ''اکروها بالذهب والفضة،، کا صاف مطلب یہ ہے کہ سونے و چاندی یعنی نقدی کے عوض ہی زمین کو کرائے پر دے سکتے ہو، اس کی پیداوار کے کسی حصہ پر نہیں دے سکتے ہو، لہذا اس سے مزارعت کی ہر شکل کی نفی ہوجاتی ہے،

چونکہ یہ قاعدہ ہے کہ مضارع کے صیغوں پر جب لفظ کان اور اس کے مشتقات داخل ہوتے ہیں تو ماضی استمراری کے معنے پیدا ہوتے ہیں لہذا ''کانوا یزرعون،، کنانخابر ،،''کنانا خذالارض،، ''کنا نحاقل،، اور ''کان الناس یکرون،، کامطلب یہ ہے ہوا کہ مزارعت، مخابرت اور محاقلت کا معاملہ برابر ہوتا چلا آرہا تھا اور مسلمان اس معاملہ کو کرتے چلے آرہے تھے، اسی طرح فقال اور فنهی میں جو فاء ہے وہ تعقیب اور بعدیت کے لئے ہے لہذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ مزارعت سے نہی اور اس کی ممانعت بعد میں وارد ہوئی، بالفاظ دیگر یہ فاء اس پر دلالت کرتی ہے کہ مزارعت کے عدم جواز کا حکم بلحاظ زمانہ بعد کا ہے ،

اس سلسله میں دو احادیث اور هیں جن سے قطعی طور پر اس امر کی شہادت فراهم هوتی هے که مزارعت و مخابرت اپنی هر شکل میں اس وقت ناجائز اور ممنوع قرار پائی جب تحریم ربا کا قانونی اعلان هوا اور یه مدنی دور کے آخر یعنی ۹سنه نو هجری میں هوا جیسا که کتب حدیث و تفسیر میں اس کی صراحت هے، اور وہ دو احادیث یه هیں :

عن ابی الزبیر عن جابر قال لما نزلت الذین یاکلون الربوا لایقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس، قال رسول الله علیه وسلم : من لم یذر المخابرة فلیؤذن بحرب من الله و رسوله، هذا حدیث صحیح علی شرط مسلم، ص ٢٨٦ -ج ٢ - المستدرك للحاکم -

ابوالزبیر نے حضرت جابر سے روائت کیا که جب تحریم ربوا کی آیات نازل هوئیں تو رسول الله صلی الله علیه وسلم نے فرمایا : جو شخص مخابرت کو نه چھوڑے اس کے لئے الله اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ هے، یه حدیث امام مسلم کی شرط پر صحیح هے۔

عن ابن ابی نعم قال حدثنی رافع بن خدیج انه زرع ارضاً فمر به النبی صلی الله علیه وسلم و هو یسقیها فساله لمن الزرع و لمن الارض ؟ فقال زرعی ببذری و عملی، لی الشطر و لبنی فلان الشطر، فقال اربیتما، فردالارض علی اهلها و خذ نفقتك، سنن ابی داؤد۔

ابن ابی نعم سے روائت هے کہا : مجھ سے بیان کیا رافع بن خدیج نے یه که اس نے ایک زمین کو کاشت کیا، پس گزرے اس کے پاس سے نبی کریم صلعم جب که وہ اس کو پانی دے رهاتها حضورص نے پوچھا کھیتی کس کی اور زمین کس کی هے ؟ تو اس نے جواب دیا کھیتی میرے بیج اور عمل سے هے نصف پیداوار میرے لئے هوگی اور نصف بنی فلاں کے لئے، حضور نے

فرمایا تم نے سودی معاملہ کیا، پس
زمین اس کے مالکوں کے سپرد کردو
اور اپنا خرچہ لے لو۔

یہ دو حدیثیں صاف بتلارہی ھیں کہ مزارعت و مخابرت کی ممانعت، آیات ربوا کے نزول اور تحریم ربا کے بعد عمل میں آئی، پہلی حدیث تو اس بارے میں اتنی واضح ھے کہ اس میں مزید کسی وضاحت کی نہ ضرورت ھے اور نہ گنجائش البتہ دوسری حدیث کے متعلق اتنی وضاحت کی ضرورت ھے کہ حضور نے اربیتما کا لفظ جو استعمال فرمایا جس کے معنے ھیں تم نے ربا کا معاملہ کیا یا یہ کہ تم ربا میں داخل ھوئے یا اس وقت فرمایا جاسکتا ھے جب اس سے پہلے ربا کی تحریم و ممانعت ھو چکی‌ھو، اور اس پر علماء کا تقریباً اتفاق ھے کہ تحریم ربوا کی آیات بلحاظ نزول آخری ھے یا چند آخری آیات میں سے ایک ھے، اس کا قطعی طور پر مطلب یہ نکلا کہ مسلمانوں کے مابین مزارعت و مخابرت کی ممانعت بالکل آخر میں ھوئی، ویسے دیکھا جائے تو عقلی طور پر بھی یہی صحیح معلوم ھوتا ھے کہ مزارعت وغیرہ کی ممانعت ،ربا کی ممانعت کے بعد وجود میں آئے کیونکہ معاشی معاملات میں سب سے برا اور بدتر معاملہ، ربوا کا معاملہ ھے جب تک کسی معاشرے میں اس کی رخصت اور آزادی ھو اس وقت تک اس میں مزارعت وغیرہ پر پابندی کا سوال ھی پیدا نہیں ھوتا، مطلب یہ کہ جس ضرورت اور مصلحت کے تحت ایک خاص وقت تک معاملہ ربوا کو برداشت کیا جاسکتا ھے اس کے تحت مزارعت وغیرہ کو بطریق اولیٰ برداشت کیا جاسکتا ھے جو ضرر اور برائی میں بہرحال معاملہ ربوا سے کم ھیں ، برداشت کا لفظ میں نے اس لئے استعمال کیا ھے کہ جہاں تک حرام ھونے کا تعلق ھے معاملہ ربوا ظلم پر مبنی ھونے کی وجہ سے روز اول سے حرام تھا سابقہ ادیان اور کتب سماویہ میں اس کی تحریم موجود تھی، مسلمانوں کو جو کافی عرصہ تک اس سے نہیں روکا گیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ابھی وہ ذھنی و خارجی حالات پیدا

نہیں ہوسکے تھے جو اس کے لئے ضروری تھے اور جن کے وجود میں آئے بغیر اگر اس کو ممنوع اور ناجائز قرار دے دیا جاتا تو ردعمل کے طور پر ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑتا جن کی برائی، معاملہ ربوا کی برائی سے کہیں زیادہ اور شدید تھی لہذا ایک بڑی برائی سے بچنے کے لئے چھوٹی برائی کو ایک خاص وقت تک برداشت کیا گیا، چنانچہ جب وہ مطلوبہ ذہنی و خارجی پیدا ہوگئے تو اس کو فورا ممنوع اور حرام قرار دے دیا گیا، ٹھیک یہی صورت معاملہ مزارعت کے ساتھ بھی پیش آئی۔

ان مذکورہ دو احادیث کے علاوہ ایک تیسری حدیث بھی ھے جس سے علامہ ابوبکر الحازمی نے مزارعت کے منسوخ ہونے پر استدلال کیا ھے، اس حدیث کا متن مع ترجمہ پیچھے عرض کیا جاچکا ھے یہاں اس کا خلاصہ پیش کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ علامہ ابوبکر الحازمی اور ان کی کتاب کا کچھ تعارف کرایا جائے، علامہ ابوبکر الحازمی متوفی ٥٨٤ھ جو اپنے زمانہ کے مانے ہوئے جلیل القدر محدث ھیں انہوں نے احادیث نبویہ کے ناسخ و منسوخ کے موضوع پر ایک کتاب تالیف فرمائی جو اس موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں میں نہایت مستند اور جامع کتاب ھے اس میں ان کا طریقہ یہ ھے کہ ایک مسئلہ سے متعلق پہلے وہ احادیث بیان کرتے ھیں جو ان کے نزدیک منسوخ ھیں اور پھر وہ احادیث ذکر کرتے ھیں جن کو وہ ناسخ سمجھتے ھیں، مزارعت سے متعلق بھی انہوں نے ایسا ھی کیا ھے پہلے وہ احادیث لائے ھیں جو مزارعت کے جواز پر دلالت کرتی اور ان کے نزدیک منسوخ ھیں اور پھر اس عنوان کے تحت ”ذکر خبر یصرح بالاذن والنہی بعدہ“ ایک حدیث ذکر کی ھے جس سے یہ ظاھر ہوتا ھے کہ مزارعت کی اجازت پہلے تھی اور ممانعت بعد میں ہوئی، اس حدیث کا مضمون یہ ھے کہ ایک صحابی کے پاس کچھ زمین تھی جسے وہ خود کاشت کرنے سے عاجزوقاصر تھا ایک دوسرے شخص نے اس سے کہا کہ آپ اجازت دیں تو میں آپ کی اس زمین کو کاشت کروں اور پیداوار

میرے اور آپ کے درمیان تقسیم ہوجائے، اس نے جواب میں کہا میں اس وقت اجازت دے سکتا ہوں جب اس کے متعلق رسول اللہ صلعم سے پوچھ لوں، چنانچہ وہ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا، آنحضرت نے کوئی جواب نہ دیا، پھر وہ وہاں سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے پاس پہنچا اور اس بارے میں پوچھا، انھوں نے کہا تم دوبارہ آنحضرت کی خدمت میں جاؤ اور ان هی سے پوچھو چنانچہ وہ دوبارہ حاضر خدمت ہوا اور پوچھا لیکن اس مرتبہ بھی حضور نے کچھ جواب نہ دیا، وہ پھر حضرات شیخین رض کے پاس پہنچا اور ان کو بتلایا کہ حضور صلعم نے ہاں یا ناں میں کوئی جواب نہیں دیا، اس پر انھوں نے فرمایا تم جاؤ اور اس شخص سے معاملہ کرلو، کیونکہ اگر یہ معاملہ حرام ہوتا تو آنحضرت ضرور منع فرمادیتے، یہ سن کر وہ چلا گیا اور دوسرے شخص سے معاملہ کرلیا اور اس نے زمین کاشت کردی، یہ زمین رسول اللہ صلعم کے ایک راستہ میں پڑتی تھی ایک دن آپ کا وہاں سے گزر ہوا تو اس سرسبز لہلہاتی کھیتی کو دیکھا کر آپ نے پوچھا کہ یہ زمین کس کی ہے لوگوں نے بتلایا کہ فلاں شخص کی ہے اور اس نے فلاں کو مزارعت پر دی ہے، یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ دونوں کو میرے پاس بلالاؤ چنانچہ وہ دونوں حاضر خدمت ہوگئے، آپ نے زمین کے مالک کو حکم دیا کہ کاشت کرنے والے نے تیری اس زمین میں جو خرچہ کیا ہے اس کو دے دو اور پیداوار سب کی سب تمہارے لئے ہوگی، اس حدیث میں اس امر کی پوری تصریح ہے کہ ظہور اسلام کے بعد مدینہ منورہ میں ایسا وقت بھی گزرا جس میں مطلق مزارعت کے جواز و عدم جواز سے متعلق کوئی شرعی حکم موجود نہ تھا ورنہ رسول اللہ صلعم اس شخص کو ضرور بتلا دیتے، اور پھر آخر میں جو حکم وارد ہوا وہ عدم جواز کا تھا جس کے تحت آپ نے اس معاملے کو فسخ کرایا ،

یہاں یہ بات کچھ اور واضح کردینے کی ضرورت ہے کہ نہی مزارعت سے پہلے مسلمانوں کا اس معاملے پر جو عمل درآمد رہا وہ کسی مثبت شرعی

حکم کے تحت نہ تھا بلکہ قبل از اسلام اس پر جو عمل درآمد ہوتا چلا آرہا تھا اسلام نے بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر ایک خاص وقت تک اس سے منع نہ کیا لہذا اس کا سلسلہ جاری رہا اور عدم ممانعت کی وجہ سے مسلمان اس پر عمل کرتے رہے، مطلب یہ کہ نہی سے پہلے مزارعت کا جو جواز تھا وہ ایسا نہ تھا جو شارع کے کسی مثبت شرعی حکم سے پیدا ہوتا ہے بلکہ ایسا تھا جو ممانعت کا حکم موجود نہ ہونے کی وجہ سے کسی شے کے متعلق سمجھا جاتا ہے، اس بات کو ربوا کی مثال سے اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے، علماء کرام اس کو جانتے اور مانتے ہیں کہ سنہ نو ہجری تک مسلمان ربا کا لین دین کرتے رہے لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ مسلمانوں کے اندر ربا کا یہ لین دین کسی مثبت شرعی حکم کے تحت تھا اس لئے قرآن مجید کی آیت لاتظلمون ولا تظلمون کے مطابق ربا ظلم ہے اور اسلام جس کا مقصد وجود دینا سے ہر قسم کے ظلم کو ختم کرکے اس کی جگہ عدل و قسط قائم کرنا ہے وہ ظلم کو اختیار کرنے کا حکم کیسے دے سکتا ہے یہ دوسری بات ہے کہ کسی بڑے ضرر سے بچنے کے لئے وہ ایک خاص وقت تک اس سے نہ روکے اور اس کو قانوناً ممنوع نہ قرار دے، کیا یہ واقع نہیں کہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اور کسی وقت بھی ربا کا لین دین نہیں فرمایا، اگر شرعاً اس کا جواز ہوتا تو آپ اظہار جواز کے لئے ایک آدھ مرتبہ اس کا ضرور لین دین کرتے لیکن آپ نے کبھی ایسا نہیں کیا، نتیجہ ظاہر ہے، بنابریں مزارعت کے منسوخ ہونے کا صحیح مطلب یہ ہے کہ نہی سے پہلے اس کی جو آزادی تھی نہی کے بعد وہ ختم ہوگی اور اس کی جگہ پابندی آگئی۔

نسخ کے طریقہ سے احادیث مزارعت کا جو جائزہ پیش کیا گیا ہے اگر کسی کو اس سے اتفاق نہ ہو تو پھر آئیے یہ دیکھیں کہ ترجیح کے طریقہ سے کیا نتیجہ سامنے آتا ہے۔

ترجیح کے طریقہ سے جب ہم احادیث مزارعت پر نظر ڈالتے ہیں تو

همیں صاف دکھائی دیتا ہے کہ جن احادیث سے مزارعت کا جواز نکالا جاتا ہے ان پر ان احادیث کو کئی وجوہ سے ترجیح حاصل ہے جو عدم جواز پر دلالت کرتی ہیں، اس اجمال کی تفصیل سے پہلے یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ جن احادیث کو مزارعت کے جواز میں پیش کیا جاتا ہے وہ دو ہیں : ایک وہ جس میں یہود خیبر کے ساتھ معاملے کا ذکر ہے لیکن جیسا کہ پیچھے عرض کیا گیا دراصل یہ معاملہ، مزارعت کا معاملہ ہے ہی نہیں بلکہ ایک سیاسی نوعیت کا معاملہ ہے جو غیر مسلم ذمیوں اور اسلامی حکومت کے درمیان طے پایا اور جس کی رو سے خیبر کے اهل ذمه یہودی جملہ پیداوار کا نصف حصہ اسلامی حکومت کو ادا کرتے تھے، بہر حال یہ واقعہ ہے کہ یہ معاملہ دو مسلمان شخصوں یا جماعتوں کے مابین نہ تھا بلکہ مسلمانوں اور غیر مسلم ذمیوں کے مابین تھا لہذا غور سے دیکھا جائے تو اس حدیث کا ان احادیث سے کوئی تعارض نہیں جو مسلمانوں کے مابین مزارعت کو ناجائز اور ممنوع قرار دیتی ہیں ۔

یہود خیبر کے ساتھ مسلمانوں کا جو معاملہ ہوا تھا وہ مزارعت و مخابرت نہ تھا اس کے ثبوت میں کئی دلائل ہیں : پہلی دلیل یہ کہ صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین کی ایک بڑی تعداد جن میں ائمہ‌اربعہ بھی شامل ہیں اس معاملہ کو مزارعت کا معاملہ نہیں سمجھتی تھی ورنہ وہ کبھی بھی مزارعت کے عدم جواز کے قائل نہ ہوتے کیونکہ جس معاملہ کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طے کیا ہو اور آخر دم تک اس پر قائم رہے ہوں اور پھر آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے پورے عہد خلافت میں اور حضرت عمر فاروق نے کافی عرصہ تک اس پر عمل درآمد کیا ہو اس کو کوئی ناجائز کہنے کی کیسے جرات کرسکتا ہے، چونکہ یہ حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ متعدد صحابہ کرام، اکابرتابعین اور آئمہ مجتہدین مزارعت کے عدم جواز کے قائل تھے لہذا اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ان کے نزدیک

خیبر کا معاملہ، مزارعت کا معاملہ نہ تھا، بلکہ جن صحابہ کرام نے حدیث خیبر کو روائیت کیا ہے وہ بھی اس میں ذکر کردہ معاملہ کو مزارعت نہیں سمجھتے تھے، مثلاً عبداللہ بن عمر کو لیجئے جو اس حدیث کے ممتاز راوی ہیں انوں نے جب رافع بن خدیج سے نہی مزارعت کی حدیث سنی تو صحاح ستہ کی روایات کے مطابق انہوں نے جواب میں معاملہ خیبر والی حدیث کو پیش نہیں کیا اور اگر ان کے نزدیک معاملہ خیبر مزارعت کا معاملہ ہوتا تو وہ بلا تامل اس کو پیش کرکے کہہ سکتے تھے کہ آپ کی روائت کیسے صحیح ہوسکتی ہے جبکہ رسول اللہ صلعم آخر دم تک اس پر قائم رہے لیکن انہوں نے بجائے اس کے یہ کہا :

لقد کنت اعلم فی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض تکری، — بلاشبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہ جانتا تھا کہ زمین کرائے پر دی جاتی ہے ،

دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں :

قد علمت انا کنا نکری مزارعنا علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بما علی الاربعاء۔ — آپ جانتے ہیں کہ ہم اپنے کھیت کرائے پر دیا کرتے تھے رسول اللہ صلعم کے زمانے میں نالیوں کے کناروں کی پیداوار کے بدلے ،

ان دونوں عبارتوں میں جس کراءالارض کا ذکر ہےظاہر ہے کہاس سےمراد معاملہ خیبر والی کراءالارض نہیں بلکہ وہ کراءالارض ہے جو اہل مدینہ کے ہاں رائج چلی آرہی تھی، اسی طرح اس کے بعد اس حدیث کے جو الفاظ ہیں ان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جس کرءالارض کا عبداللہ بن عمر نے ذکر کیا ہے وہ معاملہ خیبر نہ تھا، الفاظ یہ ہیں :

ثم خشی عبداللہ ان یکون النبی — پھر عبداللہ ڈرا کہ ہوسکتا ہے کہ

صلی الله علیه وسلم قد احدث فی ذالك شیئا لم یكن یعلمه فترك كراءالارض، بخاری و مسلم۔

اس بارے میں نبی صلعم نے کوئی نیا حکم دے دیا ہو جس کا اسے علم نہ ہو لہذا اس نے کراءالارض کو ترک کر دیا،

صاف بات ہے کہ جہاں تک معاملہ خیبر کا تعلق ہے عبداللہ بن عمر کو قطعی اور یقینی طور پر معلوم تھا کہ رسول اللہ صلعم آخر دم تک اس پر قائم رہے اور اس کے بعد حضرات شیخین رض نے بھی کافی عرصہ تک اس کو قائم رکھا لہذا یہ الفاظ ''کہ ہوسکتا ہے کہ نبی کریم صلعم نے اس بارے میں کوئی نیا حکم فرمایا ہو جو انہیں معلوم نہ ہو، معاملہ خیبر کے بارے میں ہر گز نہیں ہوسکتے کیونکہ اس کے متعلق ان کو یقینی علم تھا کہ نبی صلعم نے اس کے بارے میں کوئی نیا فرمان نہیں دیا، مزید برآں رافع بن خدیج سے نہی مزارعت کی حدیث سن کر حضرت عبداللہ بن عمر کا اس معاملہ کو ہمیشہ کےلئے ترک کردینا اور پھر اس کے عدم جواز کا فتوی دیتے رہنا بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک خیبر کا معاملہ مزارعت کا معاملہ نہ تھا ورنہ وہ ایکعملی سنت کو نہ ہمیشہ کےلئے ترک کرتے اور نہ اس کے خلاف فتویٰ دیتے، نہایت تعجب ہے ان حضرات پر جنہوں نے یہاں یہ لکھا ہے کہ عبداللہ بن عمر نے تقویٰ اور ورع کی بنا پر مزارعت کو چھوڑ دیا اور اتنا نہیں سوچا کہ اگر خیبر کا معاملہ، مزارعت کا معاملہ تھا تو اس کی حیثیت ایک سنت کی تھی لہذا تقویٰ اورورع اس کے اختیار کرنے میں تھا نہ کہ ترک کرنے میں، اور پھر عبداللہ بن عمر جیسے عاشق سنت کے متعلق یہ خیال کرنا بھی غلط ہے کہ انہوں نے ایک سنت رسول کو ہمیشہ کے لئے ترک کردیا جو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر سنت پر عمل کرتے تھے اور جب کوئی سنت مل جاتی تو پھر کبھی اس کو نہ چھوڑتے تھے، اصل بات یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر کے

نزدیک خیبر کا معاملہ مزارعت کا معاملہ تھا ہی نہیں ورنہ وہ مزارعت کو کبھی نہ چھوڑتے۔

معاملہ خیبر والی حدیث کے دوسرے راوی عبداللہ بن عباس ہیں وہ بھی اس معاملہ کو مزارعت کا معاملہ نہیں سمجھتے تھے اس کا اظہار ایک تو عبداللہ بن عباس کی اس حدیث سے ہوتا ہے جس کو بخاری اور مسلم وغیرہ نے بیان کیا ہے اس حدیث کے الفاظ میں کافی اختلاف ہے لیکن سب کا مجموعی حاصل یہ ہے کہ مزارعت حرام نہیں مکروہ ہے اور یہ کہ اس کا ترک کرنا اختیار کرنے سے بہتر ہے بالفاظ دیگر مستحب یہ ہے کہ جو اپنی زمین کو خود کاشت نہ کرسکتا ہو وہ دوسرے کو مفت بلامعاوضہ دے دے، بتلائیے اب اگر معاملہ خیبر کو مزارعت قرار دیا جائے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ العیاذ باللہ، رسول اللہ صلعم اور آپ کے خلفائے راشدین نے ایک مستحب اور اولیٰ چیز کو چھوڑ کر مکروہ اور خلاف اولیٰ امر کو اختیار کیا، لہذا یہ سمجھنا بالکل درست ہے کہ عبداللہ بن عباس کے نزدیک خیبر کا معاملہ مزارعت کا معاملہ نہ تھا ورنہ وہ اس کو مکروہ اور خلاف اولیٰ کبھی نہ کہتے، اسی طرح اس کا اظہار عبداللہ بن عباس کے اس اثر سے بھی ہوتا ہے جس کو طبرانی نے ذکر کیا ہے، الفاظ یہ ہیں :

عن ابن عباس اذا اراد احد کم اِن یعطی اخاہ ارضا فلیمنحها ایاہ ولا یعطہ بالثلث والربع، ص کنزالعمال بحوالہ طبرانی۔	عبداللہ بن عباس سے مروی ہے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو زمین دینا چاہے تو اسے مفت دے تہائی اور چوتھائی پر نہ دے۔

اس روائت کے آخری الفاظ میں مزارعت کی نہی ہے اور انہوں نے مسلمانوں کو مزارعت سے روکا ہے، بتلائیے اگر معاملہ خیبر عبداللہ بن عباس کے نزدیک مزارعت کا معاملہ ہوتا تو وہ ایک ایسے معاملے سے کیسے روک سکتے تھے

جسے خود رسول اللہ صلعم نے طے کیا اور آخر دم تک اس پر قائم رہے، اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ عبداللہ بن عباس کے نزدیک معاملہ خیبر مزارعت نہ تھا۔

علامہ ابوبکر الحاذمی نے اپنی کتاب ''الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الاخبار'' میں جہاں ان صحابہ کرام اور تابعین کا ذکر کیا ہے جو مزارعت کو فاسد اور ناجائز معاملہ سمجھتے اور قرار دیتے تھے ان میں سر فہرست حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس کا نام ذکر کیا ہے، ان کی عبارت یہ ہے : وقالوا العقد فاسد وروی مثل ذالک عن عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن عباس الخ ،

اس کے علاوہ کچھ دوسرے شواهد و قرائن بھی ہیں جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ معاملہ خیبر مزارعت کا معاملہ نہ تھا بلکہ سیاسی نوعیت کا معاملہ تھا مثلاً ایک یہ کہ بعض روائیتوں میں اس کی تصریح ہے کہ معاہدہ صلح کے بعد بھی خیبر کی کچھ اراضی یہود خیبر کی ملکیت تھیں چنانچہ حضرت عمر فاروق نے جب ان کو جلاءوطن کیا تو وہ اراضی ان سے خریدیں اور معاوضہ ادا کیا، بیہقی کی روائیت ہے جسے علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کیا ہے الفاظ یہ ہیں :

عن عمر بن عبدالعزیز قال لما استخلف عمر اجلی اهل نجران و اهل فدک وتیماء و اهل خیبر واشتری عقارهم واموالهم، ص ۹ - ج ۵ - فتح الباری۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے روائت ہے کہ جب حضرت عمر فاروق خلیفہ مقرر ہوئے انہوں نے کچھ عرصہ بعد جب اهل نجران، اهل فدک و تیماء اور اهل خیبر کو جلاءوطن کیا تو ان کی زمینیں اور دیگر اموال ان سے خریدے۔

دوسری روائت جو ابن ابی شیبہ سے نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں :

عن یحی بن سعید ان عمر اجلیٰ اهل نجران و الیهود و النصاریٰ واشتریٰ بیاض ارضهم و کرومهم ۔	یحیی بن سعید سے روائت ہے کہ حضرت عمر فاروق نے اهل نجران اور یہود و نصاریٰ کو جلاوطن کیا اور ان کی زمینیں اور باغات خریدے۔

المبسوط للسرخسی میں اس رقم کی مقدار نوے ہزار دینار لکھی ہے جو حضرت عمر نے بیت‌المال سے ان جلاءوطن ہونے والوں کو دی، الفاظ یہ ہیں: فانه امر باموالهم فقومت بتسعین الف دینار فدفعهاالیهم واجلاهم و قبض اموالهم ص ٥ ۔ج ٢٣ ۔ المبسوط ۔ ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان ان زمینوں کے مالک نہیں تھے بلکہ ان کے مالک خود اهل ذمه یہود و نصاریٰ تھے ورنہ ان سے خریدنے اور ان کو معاوضه دینے کا مطلب ہی کیا ہوسکتا ہے، اور جب اس کو تسلیم کرلیا جائے کہ مسلمان اراضی خیبر کے مالک نہیں تھے جیسا کہ مذکورہ روایات سے واضح ہوتا ہے تو پھر معاملہ خیبر کو مزارعت کہنا کسی طرح درست نہیں ہوسکتا کیونکہ مزارعت کے لئے ضروری ہے کہ زمین کا مالک خودکاشتکار نہ ہو بلکہ کوئی دوسرا ہو۔

اسی طرح معاملہ خیبر کے متعلق بعض روایات میں یہ جو تفصیل ہے کہ اراضی خیبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم نے چھتیس حصوں میں تقسیم فرمایا، ان میں سے اٹھارہ حصہ غانمین کے لئے متعین فرمائے جن میں آپ کا حصہ بھی شامل تھا اور باقی اٹھارہ حصے اجتماعی مصارف اور ملی حاجات کے لئے مقرر فرمائے، اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے یہود خیبر کی مفتوحہ اراضی کو دوسرے اموال غنیمت کی طرح غانمین کی ملکیت قرار نہیں دیا ورنہ فرمان الٰہی کے مطابق خمس لے کر باقی سب زمین غانمین میں تقسیم فرما دیتے، بلکہ بعض روایات میں یہ بھی صراحت ہے کہ حضور صلعم نے خیبر کو فتح کرنے والے غانمین کے لئے اراضی خیبر کے الگ الگ حصے مقرر نہیں فرمائے تھے بلکہ حاصل ہونے والی مجموعی پیداوار میں سے پیمانہ وسق

کے لحاظ سے ان کے لئے حصے مقرر تھے چنانچہ حکومت کا نمائندہ تمام غلوں اور پھلوں کا جو نصف حصہ وصول کرکے لاتا تھا مقررہ حصوں سے وہ ان کے درمیان تقسیم ہوجاتا تھا، ازواج مطہرات کی حد تک ان حصوں کی کچھ تفصیل صحیح البخاری میں اور پوری تفصیل سیرۃ ابن ہشام وغیرہ میں ملتی ہے، غرض یہ کہ جب اراضی خیبر غانمین خیبر کی ملکیت ہی نہ تھیں تو معاملہ خیبر کے مزارعت ہونے کا احتمال ہی باقی نہیں رہتا۔

اسی طریقہ سے حدیث خیبر میں یہ جو الفاظ ہیں کہ ''نقر کم بھا علی ذالك ماشئنا،، ہم تمہیں اس معاہدہ پر برقرار رکھیں گے جب تک ہم چاہیں گے، یہ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں کہ معاملہ خیبر، معاملہ مزارعت نہ تھا کیونکہ مزارعت میں مدت کا تعین ضروری ہوتا ہے اور یہ الفاظ عدم تعین کو ظاہر کرتے ہیں۔

معاملہ خیبر کے معاملہ مزارعت نہ ہونے پر ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ یہود خیبر جن کی حیثیت اہل کتاب ذمیوں کی تھی سوائے پیداوار کے نصف حصہ کے اسلامی حکومت کو اور کچھ ادا نہیں کرتے تھے حالانکہ خدائی حکم کے مطابق ان پر جزیہ یا خراج عائد ہوتا تھا جس کا وصول کرنا مسلمان حکومت کے لئے ضروری تھا۔ اب اگر اس معاملہ کو مزارعت قرار دیاجائے اور یہ کہا جائے کہ یہود غلے وغیرہ کا جو نصف حصہ ادا کرتے تھے وہ بطور مزارعت کے تھا تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ رسول اللہ صلعم اور آپ کے صحابہؓ نے یہود خیبر کی حد تک قرآنی حکم پر عمل نہ کیا جس کا خیال کرنا بھی گناہ ہے، اور اگر یہ کہاجائے کہ یہود کے ساتھ جو معاملہ ہوا تھا وہ مسلمان حکومت اور ذمی رعایا کے مابین ایک سیاسی نوعیت کا معاملہ تھا اور ان سے جو کچھ وصول کیا جاتا تھا وہ بطور خراج مقاسمت کے تھا تو اس سے مذکورہ خرابی لازم نہیں آتی، اس بات کی تائید کہ یہود خیبر سے ان کی پیداوار کا جو نصف حصہ لیا جاتا تھا وہ بطور خراج مقاسمت کے تھا اس روائیت سے بھی

ہوتی ہے جس میں یہ بیان ہے کہ جب یہود خیبر کو سے جلاءوطن کردیا گیا تو ان پر نقد جزیہ مقرر کیا گیا جو وہ اسلامی حکومت کو بحیثیت ذمی کے ادا کرتے تھے حالانکہ اس سے پہلے ان سے نقد جزیہ وصول نہیں کیا جاتا تھا لہذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ جلاءوطنی سے پہلے یہود سے جو غلہ وغیرہ وصول کیا جاتا تھا وہ بطور خراج و جزیے کے تھا، حضرت امام ابو حنیفہ کی بعینہ یہی رائے تھی جس کو کتب فقہ مبسوط السرخسی، ہدایہ اور بدائع الصنائع وغیرہ میں ذکر کیا گیا ہے اور کسی نے اس کو رد نہیں کیا اور کوئی اس کے جواب میں معقول دلیل پیش نہیں کرسکا۔

غرض یہ کہ معاملہ خیبر سے متعلق سطوربالا میں جو امور عرض کئے گئے ہیں ان سے یہ بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ جواز مزارعت کے لئے حدیث خیبر سے استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ اس میں جس معاملہ کا ذکر ہے اس کے مزارعت نہ ہونے پر متعدد احتمالات ہیں ۔ لہذا اس قاعدہ کی رو سے کہ ''اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال،، استدلال مذکور باطل قرار پاتا ہے۔ پھر جب حدیث خیبر مزارعت سے متعلق ہے ہی نہیں تو اس کا ان احادیث سے تعارض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو مزارعت کے عدم جواز پر دلالت کرتی ہیں ۔ اور اگر اس کے باوجود کسی کو اس پر اصرار ہو کہ حدیث خیبر مزارعت سے متعلق ہے اور اس سے اس کا جواز نکلتا ہے تو پھر آئیے یہ دیکھیں کہ وجوہ ترجیح کی روشنی میں اس کی استنادی حیثیت کیا ہے ۔

* *